وجد آفریں صدا

متن اور تصاویر: کرسٹوفر ہالینڈ

صوفیانہ موسیقی کی روحانی ترنم ریزیوں نے فلبرائٹ اسکالر کرسٹو فر ہالینڈ کو ہفت اقلیم کی سیر پر اکسایا۔ دھلی اس سفر کا آخرو پڑاو تھا جھاں قوالی کی روحانی مجلسوں نے ان کی خواہشات کی تکمیل کی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ چند سال قبل میرے دوستوں نے کسی نابغۂ روزگار پاکستان صوفی گلوکار کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ اس کے وجد آفریں کلام کو سن کر تم اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھو گے۔ میرے دوستوں کو معلوم تھا کہ میں موسیقی کا شیدائی اور اس فن میں ندرت کا متلاشی رہا ہوں۔ میں نے ان کے مشورے کو بسر وچشم قبول کرتے ہوئے اس کا نام لکھ لیا۔ (کیوں کہ لمبے ناموں کے تلفظ میں مجھے دشواریاں ہوتی ہیں) اور جلد ہی میں نے نصرت فتح علی خاں کا ایک البم خرید لیا۔ البم کا سننا کیا تھا کہ میں پر جوش طور پر ان کا گرویدہ ہوگیا۔ مجھے ایسی مسرت حاصل ہورہی تھی گویا کسی بچے کو ایک نیا کھلونا مل گیا ہو۔ میں نے پورے راستے اس البم کو شروع سے آخر تک بار بار سنا۔

گو کہ الفاظ کے معنی ومفہوم سے میں نا آشنا تھا اور طرز موسیقی اس موسیقی سے یکسر مختلف تھی جس سے میں بہرہ ور تھا لیکن نغمگی روح میں سرایت کرتی معلوم ہوتی تھی۔ شمالی امریکہ میں واقع جارجیا کے مقامی باشندے ہونے کی حیثیت سے، مجھے کلیساؤں کی وہ روحانی ربانی موسیقی یاد آگئی جسے میں اکثر وبیشتر سنا کرتا تھا۔

نصرت فتح علی خاں کے البم نے مجھ پر صوفی موسیقی کی ایک متحرک دنیا کے دروازے کھول دیئے۔ اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں لیکن آج بھی ان لمحات کی یاد میرے ہونٹوں پر تبسم بکھیر دیتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ نصرت کی گلوکاری جنوبی ایشیا کی صوفی طرز کی گائیگی پر مبنی ہے جسے قوالی کہتے ہیں۔ اس سے متاثر ہوکر میں نے امریکہ میں، نصرت کی طرح دیگر وجدانی موسیقی کی تلاش شروع کی لیکن یہ تلاش طویل بھی تھی اور دشوار گزار بھی۔ بالآخر یہ تلاش ناکام ثابت ہوئی۔ البتہ یہ نکتہ میری سمجھ میں آگیا کہ مستقبل میں، جنوبی ہند کا سفر میرے لیے ناگزیر ہے۔

ایک قلیل عرصے کے بعد، میری مراد برآئی اور ایک سال قبل میں دہلی آگیا۔ میں نے دیکھا کہ موسیقی سمیت فن کے ہر رنگ میں صوفی موسیقی کا رنگ پیدا کرنے کی کوششیں عام ہیں۔ جب بھی میں اخبار کا مطالعہ کرتا تو دیکھتا کہ کوئی نیا البم جاری ہوتا جس کے صوفیانہ ہونے کے بارے میں دعوے کئے جاتے، یا کمانی آڈیٹوریم جیسے مقامات پر کسی نئے صوفی رقص کا تذکرہ ہوتا۔

میری دلچسپی ان تمام چیزوں میں تھی کیونکہ میں چاہتا تھا کہ نصرت کی روحانی آواز کے پس پشت جن صوفیانہ محرکات کی تلاش وجستجو میں میں نے ہندوستان کا سفر کیا ہے انھیں زیادہ سے زیادہ اپنے اندر جذب کرلوں۔ اس ضمن میں، میں نے ضلع خاں، عابدہ پروین، اسٹرنگز اور پنکج اوستھی وغیرہ کے نئے البموں کو سُنا۔ میں نے کئی صوفی پروگراموں میں شرکت کی جن میں مدن گوپال، ودالی برادران، ہمسر حیات کے پروگرام اور سالانہ تقریب جہانِ خسرو قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پیش کش اپنے مخصوص صوفیانہ طرز وانداز کا آئینہ دار تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ البم اور پروگرام بہت دلچسپ تھے لیکن یہ تمام چیزیں اس پیاس کو بجھانے میں ناکام رہیں جو نصرت کی صوفیانہ موسیقی کے پس پشت کارفرما روحانی وجد نے پیدا کردی تھی۔ آخرکار، جمعرات کی ایک گرم اور تپتی شام کو میں تنگ گلیوں سے گذر کر بستی نظام الدین کے مرکز میں واقع حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر حاضر ہوگیا اور وہاں میں نے قوالوں کو گاتے ہوئے دیکھا۔ ان کے وجد آفریں کلام کو سن کر میں فوراً ہی بے چین کردینے والی گرمی بھول گیا۔ امریکہ میں اپنے گھر پر پہلی بار نصرت کو سن کر مجھے جو سکون و اطمینان ملا تھا، آج پھر اسی سکینت قلبی کا احساس ہورہا تھا۔ قوال متواتر کلام پیش کرتے رہتے تھے، البتہ نمازوں کے اوقات میں یہ سلسلہ تھم جاتا تھا۔ قوال جس والہانہ انداز میں حمدیہ کلام پڑھتے تھے وہ مجھے اسی روحانی مسرت سے آشنا کردیتا تھا جو مجھے جنوبی کلامِ ربانی سننے سے حاصل ہوتی تھی۔

چونکہ مجھے تھوڑی بہت اردو آتی تھی لہٰذا میں نے جلد ہی بیشتر قوالوں سے رسم وراہ پیدا کرلی۔ جب بھی میں درگاہ میں حاضر

طلوع آفتاب کے بعد ھی فتح پور سیکری کی درگاہ پر محفل سماع کا آغاز ھو جاتا ھے۔

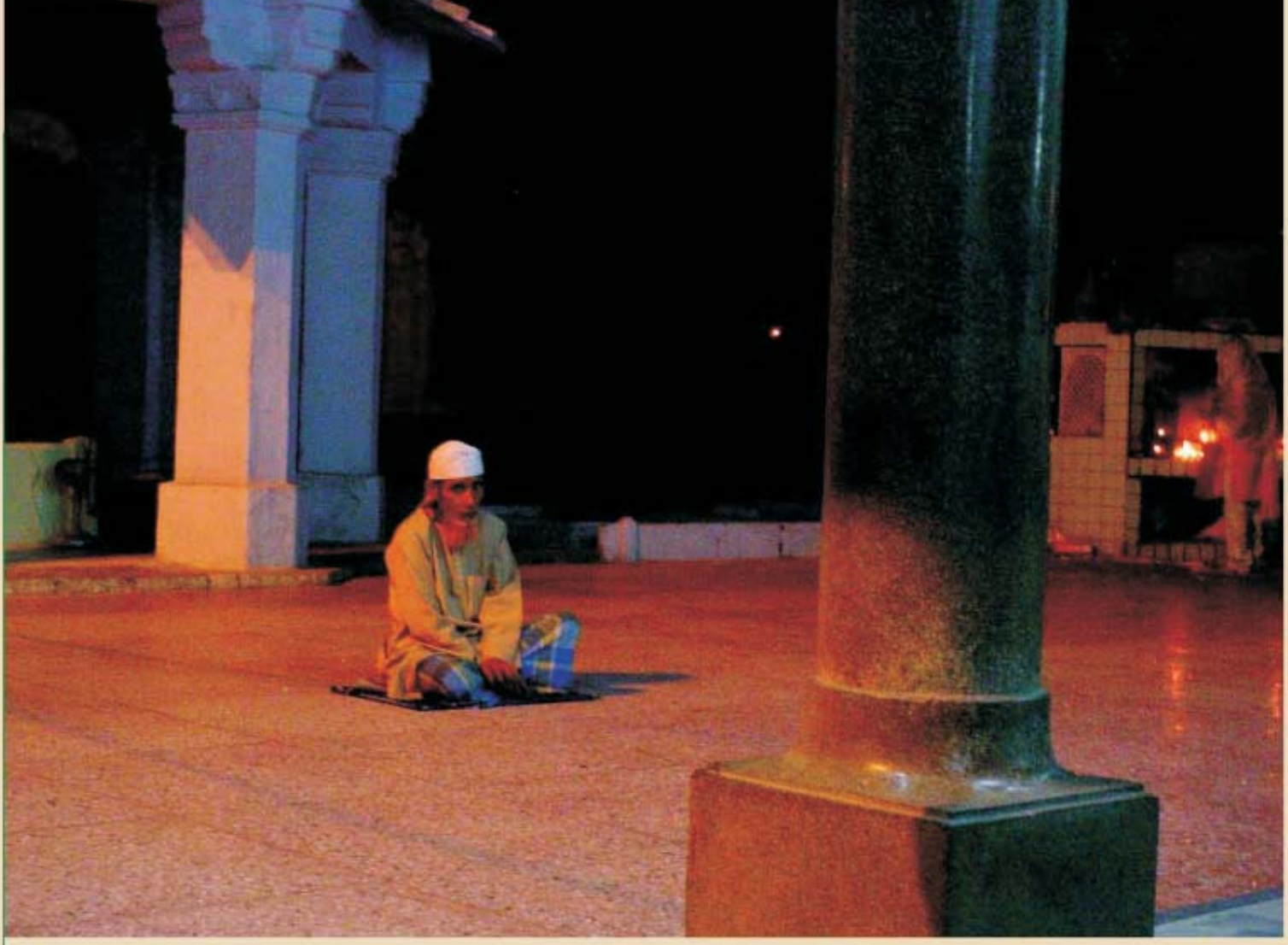

ہوتا، ان لوگوں سے گفتگو کرتا۔ میں قوالی کے بارے میں ان سے تفصیل سے بات چیت کرتا۔ رفتہ رفتہ میں موسیقی کی اُس صنف اور اُس کی روایات دیرینہ سے واقف ہوتا گیا جو سات سو سالوں سے زیادہ نہ صرف زندہ و باقی تھی بلکہ نہ جانے کتنے سیاسی نشیب و فراز دیکھنے اور نہ جانے کتنے معاشرتی تغیرات سے گزرنے کے بعد بھی حرکت و حرارت سے بھرپور تھی۔

قوالی کی ابتدا اس وقت ہوئی جب تیرھویں صدی میں صوفی سلسلۂ چشتیہ کے بانی حضرت معین الدین چشتی بغداد سے اجمیر، راجستھان تشریف لائے۔ تصوّف کے خمیر میں داخل مذہبی رواداری کے پیش نظر انھوں نے سماع میں حمد ربانی گائے جانے کے لیے عربی اور فارسی شاعری کو ہندوؤں کے کیرتن کے طرز سے مملو کردیا۔ ایک صدی بعد، ایک عبقری فنکار حضرت امیر خسرو نے اس صنف کے گیسو سنوارے اور دیکھتے ہی دیکھتے قوالی ایک باقاعدہ صنف سخن کی حیثیت سے جلوہ گر ہوگئی۔ مشہور خلائق ہے کہ امیر خسرو ہی طبلہ اور ستار کے موجد تھے۔ قوال حضرات، قوال بچے سے متعلق ایک مشہور کہانی اکثر و بیشتر دہراتے ہیں۔

درگاہ حضرت نظام الدین کے ایک بزرگ قوال شیخ نظام الدین بیان کرتے ہیں: ''حضرت امیر خسرو اپنے شیخ حضرت نظام الدین (جو سماع کو بطور خاص پسند فرماتے تھے) کے لیے کچھ خاص کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بارہ ذہین کمسن نوجوانوں کا انتخاب کیا تاکہ وہ اُن کے بنائے ہوئے راگ گا سکیں۔ شیخ ان نوجوانوں کی کارکردگی سے بہت خوش ہوئے۔ یہ بارہ بچے ''قوال بچے'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور اس طرح قوالی کی موروثی روایت کی ابتدا ہوئی۔ حضرت نظام الدین کی درگاہ کے قوال آج بھی اپنے کو ''قوال بچے'' کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کو انھیں بچوں کی آل اولاد بتاتے ہیں۔ قوالی کا فن باپ سے بیٹے کو نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔ ان قوالوں نے اس بات کا پرزور اہتمام جاری رکھا کہ ان کی اولادیں کلام از بر کریں اور صحیح تلفظ سیکھیں کیونکہ بیشتر کلام زبان فارسی میں ہے۔ ہاں البتہ، موسیقی کو گردش ایام کے ساتھ ساتھ بدلنے اور ہم آہنگ ہونے کی رعایت دے دی گئی تاکہ اس میں صوفیانہ قوالیوں کو سننے والی

اوپر: حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دھلی کی درگاہ پر موذن نذرانہ منقبت پیش کرتے ہوئے۔

بائیں: کرسٹو فر ھالینڈ نے گذشتہ دنوں فروری میں نئی دھلی کے اندرا گاندھی نیشنل سینٹر میں اپنی تصویروں کی نمائش کی۔

ہیمنت بھٹناگر

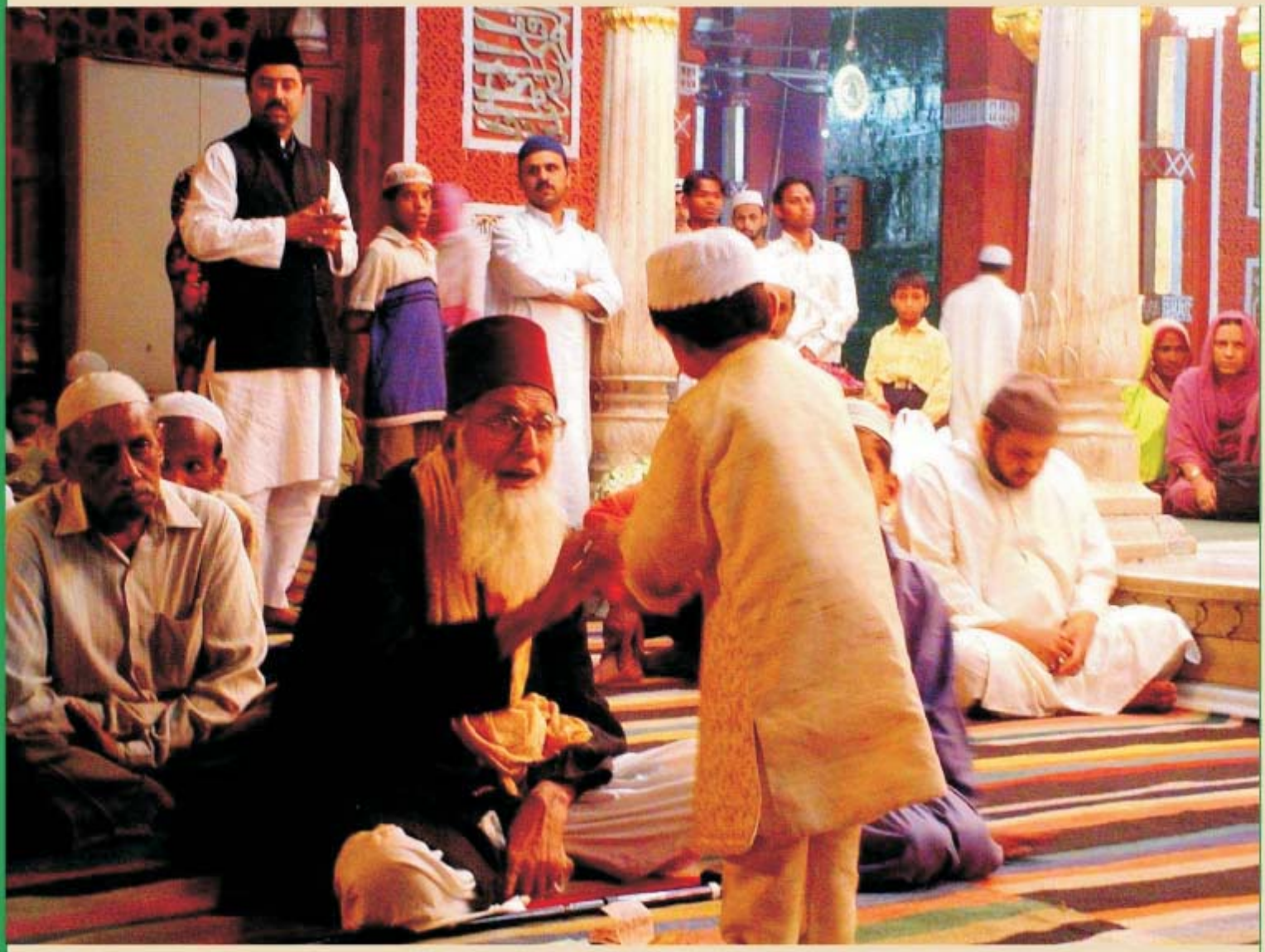

حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر محفل سماع میں سجادہ نشین درگاہ میں آئے ہوئے ایک بچّے سے نذرانہ قبول کرتے ہوئے۔

ہر نسل کے لیے جاذبیت برقرار رہے۔ موسیقی کی تبدیل کے دوش بدوش نئے ساز بھی اپنائے گئے۔ قوالیوں میں ہارمونیم کا استعمال یوں تو ۱۹ ویں صدی کے اوائل میں ہوا لیکن رفتہ رفتہ قوالیوں کے لیے یہ ساز ناگزیر بن گیا۔ اسی طرح سے نئے سُروں اور نئے تالوں نے بھی قوالی میں اپنی جگہ بنالی۔

قوالی کو سیاست سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہا کیونکہ سماع کا جواز، تاریخ اسلام میں ہمیشہ موضوع بحث رہا۔ مستزاد یہ کہ دہلی کا علاقہ سات سو سال (۱۲ ویں تا ۱۸ ویں صدی) تک مسلم حکمرانوں کے زیر نگیں رہا۔ ہر حکمراں نے اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد پر یا تو سماع کی اجازت دی یا پھر اسے پابند سلاسل کیا۔ چشتی صوفیاء اپنے دفاع میں چودھویں صدی کے قابل صد احترام صوفی حضرت نظام الدین کا حوالہ دیا کرتے ہیں جنھوں نے زندگی بھر سماع کا دفاع کیا۔ شیخ اس ضمن میں ایک شعر دہرایا کرتے تھے جس کا مفہوم تھا: آپ کہتے ہیں کہ "میرے خیال میں سماع ممنوع ہے" بہت خوب تب یہ آپ کے لیے ممنوع ہوگا لیکن اسے جاری رہنے دیں۔"

آج صوفیانہ موسیقی اور قوالی کی طرز نہ صرف جنوبی ایشیا میں بلکہ پوری دنیا میں مقبول عام ہو رہی ہے۔

تاہم بہت سے لوگ اب بھی قوالی کے اُن اثرات سے ناآشنا ہیں جو اس وجد آفریں صنف نے ہندوستان کی معروف ثقافت پر ڈالے ہیں۔ بالی ووڈ کی ابتدا سے ہی سینما انڈسٹری نے اس سے خوب فیض حاصل کیا ہے۔ بالی ووڈ کے موسیقاروں کو ایک خاص انداز میں قوالی گانے کی تربیت دینے کے لیے پاکستانی قوالوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان موسیقاروں نے متعدد نغمے، الفاظ کے ردّ و بدل کے ساتھ اپنا لئے۔ قوالوں کے ذریعے گائے جانے والی صوفیانہ شاعری جو سرتاپا عشق و محبت کے خوبصورت افکار و خیالات سے سرشار تھی، فلموں کے مشہور گانوں میں در کر آئی۔ یہ جاننے کے بعد میں نے بالی ووڈ کے گانوں پر مزید توجہ دینی شروع کر دی اور میں نے دیکھا کہ ان مشہور گانوں میں بھی بعض صوفی اصطلاحات مثلاً عشق، محبوب وغیرہ کا خوب استعمال ہوا ہے۔ کہیں کہیں تو پورا کلام ہی گانے کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔

قوالوں کے ساتھ جو وقت میں نے گزارا، اس میں مجھے نہ صرف یہ کہ نصرت فتح علی کے البم کے پس پشت انتہائی موثر اور وجد آفریں روایات کا علم حاصل ہوا بلکہ قوالوں سے مجھے کچھ گانوں اور راگوں کو سیکھنے کا بھی موقع ملا۔ اب جب کہ اس سرزمین کو خیرآباد کہنے کا وقت قریب آگیا ہے، میں مغموم و محزون ہوں لیکن اس بات پر شاداں و فرحاں بھی ہوں کہ جب میں دنیا کے دوسرے حصّے میں واپس لوٹوں گا تو صوفیانہ موسیقی اور فن اپنی جاذبیت سے وہاں بھی مسحور کریں گے اور لوگ جوق در جوق اس سحر انگیز موسیقی سے لطف اندوز ہوں گے۔ □

کرسٹوفر ہالینڈ، اگست ۲۰۰۵ سے ایک سال کے لیے فل برائٹ اسکالر شپ پر ہندوستان تشریف لائے۔ ان کا تعلق ایتھنز، جارجیا سے ہے۔